الله کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے

براہین و معجزات کا انسائیکلوپیڈیا

محمد ﷺ کی نبوت اور قرآنِ کریم کی سچائی کے دلائل

سائنسی معجزات · تاریخی و آثاری شواہد · پوری ہونے والی پیشین گوئیاں

تورات و انجیل کی بشارتیں · جِن، جادو اور غیب کی دنیا

اِتنی آسانی سے سمجھایا گیا کہ بچہ بھی سمجھ لے · 157 رنگین خاکے

157 دلائل، قوّت کی ترتیب سے

چوتھا باب

نبی ﷺ کے حسی معجزات

وہ کچھ جو آپ کے صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور متصل سندوں کے ساتھ ہم تک پہنچایا: انگلیوں سے پھوٹتا ہوا پانی، آپ کے شوق میں رونے والا کھجور کا تنا، اور مکہ کے اوپر دو ٹکڑے ہوتا ہوا چاند۔

16 دلائل

چاند مکہ کے اوپر پھٹ گیا

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا ۝ اور اگر وہ نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیتے ھیں اور کہتے ھیں: چلتا ھوا جادو

سورہ قمر — آیات 1-2

ایک ایسا واقعہ جسے سب اہلِ مکہ نے دیکھا — مومن بھی اور منکر بھی

آسان لفظوں میں

چاند آسمان میں دو ٹکڑے ہو گیا، یہاں تک کہ لوگوں نے جبلِ حرا کو ان کے درمیان دیکھا۔ اور مشرکوں نے دیکھنے سے انکار نہیں کیا — انھوں نے کہا: **«محمد نے ہم پر جادو کر دیا»**۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

قریش نبی کریم ﷺ سے کوئی محسوس نشانی مانگتے تھے جو ان کی سچائی ثابت کرے۔ جب وہ واقع ہو گئی تو انھوں نے یہ نہیں کہا کہ «ہم نے کچھ نہیں دیکھا» — حالانکہ یہی سب سے آسان اور سب سے محفوظ جواب تھا — بلکہ جو دیکھا تھا اس کی تاویل جادو سے کر دی۔ **اور یہ بجائے خود دیکھ لینے کا اقرار ہے۔**

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

آیت **ماضیِ محقق** کے صیغے میں اتری: «چاند پھٹ گیا» — نہ کہ «پھٹے گا»۔ اور شقِ قمر کی حدیث **صحیح بخاری اور صحیح مسلم** میں متعدد سندوں سے صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے: ابنِ مسعود، انس، ابنِ عباس، اور مسلم میں ابنِ عمر۔ جبیر بن مطعم کی حدیث احمد اور حاکم نے روایت کی اور حاکم نے شیخین کی شرط پر اسے صحیح کہا۔ ابنِ مسعود کی حدیث میں اس کا نقشہ بھی ہے جو انھوں نے دیکھا: «یہاں تک کہ انھوں نے پہاڑ کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا»۔ اور محدثین کے نزدیک یہ خبر حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

دلیل یہاں صرف واقعے میں نہیں، بلکہ **مخالفوں کے ردِعمل** میں ہے۔ آیت انہی کے سامنے مکہ میں پڑھی جا رہی تھی جب وہ زندہ تھے، اور یہ طے کر رہی تھی کہ چاند ان کی آنکھوں کے سامنے پھٹا۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو ان کے لیے سب سے آسان بات یہ تھی کہ کہہ دیتے: «کب؟ ہم نے تو نہیں دیکھا»۔ اور وہ سب سے بڑھ کر ان کی تکذیب کے حریص تھے، اور انھیں شاعری، جادو اور جنون کا الزام دینے میں کوئی باک نہ تھا۔ مگر انھوں نے **انکار کے بجائے تاویل کو چنا** — اور ممکنہ گواہیوں میں یہ سب سے قوی گواہی ہے۔ اور خود آیت نے ان کا جواب بھی درج کر لیا: **«اور کہتے ہیں: چلتا ہوا جادو»** — یوں دلیل اور اس کا جواب دونوں محفوظ ہو گئے۔

انگلیوں کے درمیان سے پھوٹتا پانی

پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا، تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح ابلنے لگا، سو ہم نے پیا اور وضو کیا۔ انس سے پوچھا گیا: تم کتنے تھے؟ کہا: تقریباً تین سو

بخاری اور مسلم نے روایت کیا — متفق علیہ

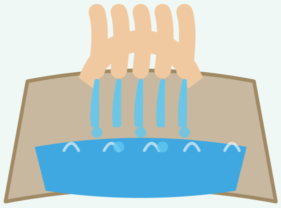

ایک منظر جسے انس بن مالک، جابر، ابنِ مسعود اور دیگر نے روایت کیا

آسان لفظوں میں

پانی ختم ہو گیا اور لوگ پیاسے تھے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ ایک چھوٹے برتن میں رکھا، **اور پانی ان کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پھوٹ پڑا**، یہاں تک کہ سارے لشکر نے پیا اور وضو کیا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اس موقع پر نہ کوئی کنواں تھا نہ بارش۔ اور صحرا میں پانی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سینکڑوں لوگوں کو ایک ہی وقت میں پانی درکار تھا۔ اور وہ چھوٹا برتن ایک آدمی کے وضو اور پینے کو بھی کافی نہ تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ واقعہ **صحیحین** میں انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن مسعود اور دوسروں سے مختلف مقامات پر مروی ہے — حدیبیہ، تبوک اور ان کے علاوہ۔ اور یہ ایک سے زیادہ بار پیش آیا، اور ہزاروں نے اسے دیکھا۔ ابنِ مسعود کہتے ہیں: «ہم نشانیوں کو برکت شمار کرتے تھے اور تم انہیں خوف شمار کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پانی کم پڑ گیا تو آپ نے فرمایا: تھوڑا سا بچا ہوا پانی تلاش کرو…»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

فرق کرنے والی تفصیل پھوٹنے کی جگہ ہے: «**ان کی انگلیوں کے درمیان سے**»، برتن سے نہیں۔ اگر کسی کو خبر گھڑنی ہوتی تو زیادہ قریب یہ تھا کہ کہہ دیتا برتن بھر گیا — یہ سادہ تر بات ہے۔ رہا انسانی ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا پھوٹنا، تو یہ ایک عجیب اور باریک نقشہ ہے جو دیکھے بغیر نہیں کہا جاتا۔ اور اس سے اہم تر **گواہوں کی تعداد** ہے: انس کی روایت میں «تقریباً تین سو»، اور حدیبیہ کے دن جابر کی روایت میں چودہ سو۔ جس خبر کے اتنے گواہ ہوں، پھر وہ روایت اور مدوّن بھی ہو، اور ان میں سے ایک بھی اس کا انکار نہ کرے — وہ ان کے بعد گھڑی نہیں جا سکتی۔

جَو کا ایک صاع جس نے ہزار کو سیر کیا

پھر میں وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا ... تو آپ نے فرمایا: خندق والوں کو بلا لاؤ۔ اور وہ ایک ہزار تھے ... اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ لوگوں نے کھایا یہاں تک کہ اسے چھوڑ کر پلٹ گئے، اور ہماری ہانڈی ویسے ھی اُبل رہی تھی

بخاری اور مسلم نے روایت کیا — متفق علیہ

خندق کا دن — جب لوگ بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے

آسان لفظوں میں

جابر نے نبی کریم ﷺ کو تھوڑے سے کھانے پر بلایا جو چند افراد کو کافی تھا، تو آپ ﷺ نے خندق کھودنے والے ایک ہزار آدمیوں کو بلا لیا۔ **سب نے کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے، اور ہانڈی پھر بھی بھری ہوئی تھی۔**

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

یہ محاصرے کے سخت ترین دنوں کی بات ہے۔ مسلمان بھوکے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے خود بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا تھا۔ اور کھانا جَو کا ایک صاع اور ایک چھوٹی بکری تھی — صرف ایک گھر کے لیے کافی۔ اور جابر نے جو کیا تھا اس پر چپکے سے اپنی بیوی سے معذرت بھی کر لی تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

پوری حدیث **صحیح بخاری** میں ہے، جسے جابر بن عبداللہ خود اپنی اور اپنے حال کی روداد کے طور پر باریک گھریلو تفصیلوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں: بیوی سے ان کی گفتگو، رسوائی کا خوف، نبی کریم ﷺ کا ہانڈی کو آگ سے نہ اتارنے کا حکم، اور یہ حکم کہ اس میں سے نکالا جائے مگر کھولا نہ جائے۔ اور آخر میں جابر قسم کھاتے ہیں: «انھوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ لوگوں نے کھایا یہاں تک کہ اسے چھوڑ کر چلے گئے، **اور ہماری ہانڈی ویسے ہی اُبل رہی تھی**» — یعنی بھری ہوئی کھول رہی تھی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ایسا واقعہ گھڑا نہیں جا سکتا، کیونکہ یہ **ہزار گواہوں** کے سامنے ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں پیش آیا۔ اگر یہ جھوٹ ہوتا تو لشکر میں سینکڑوں اسے جھٹلاتے، اور ان میں منافق بھی تھے جو تاک میں رہتے تھے۔ اس سے بھی باریک بات یہ ہے کہ راوی خود اپنی **شرمندگی** اور کھانے کی کمی کے خوف کا ذکر کرتا ہے — یہ وہ تفصیل نہیں جو کوئی گھڑنے والا اپنی بڑائی کے لیے شامل کرے۔ اور صحاح میں اس کی نظیریں بہت ہیں: تبوک کا کھانا، ابنِ جراح کی کھجوریں، اور جابر کے والد کا وہ قرض جو ان کھجوروں سے ادا ہوا جو اس کے دسویں حصے کو بھی کافی نہ تھیں۔

115 وہ تنا جو ان کے لیے تڑپا

مسجد کھجور کے تنوں پر چھائی ہوئی تھی، اور نبی کریم ﷺ جب خطبہ دیتے تو ان میں سے ایک تنے کے پاس کھڑے ہوتے۔ پھر جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا ... تو ہم نے اس تنے سے ایسی آواز سنی جیسے حاملہ اونٹنی کی آواز، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور اس پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہو گیا

بخاری نے روایت کیا — صحیح

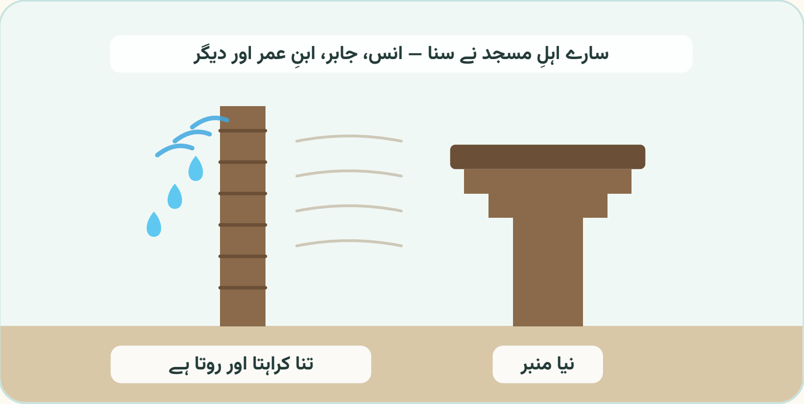

کھجور کا ایک تنا جو دسویں مہینے کی حاملہ اونٹنی کی طرح کراہا

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا تو **وہ تنا رویا اور کراہا** یہاں تک کہ مسجد میں موجود ہر شخص نے سنا — تو آپ ﷺ اترے اور اسے گلے لگایا، سو وہ چپ ہو گیا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

تنا ایک خشک لکڑی ہے جس میں کوئی حس نہیں۔ اور اس سے دسویں مہینے کی حاملہ اونٹنی جیسی سنائی دینے والی آواز نکلنا ایسی بات ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اور اس دن مسجد جمعہ کے روز لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

حدیث **صحیح بخاری** اور دیگر کتب میں ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے بہت سی سندوں سے مروی ہے: جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، اُبیّ بن کعب، سہل بن سعد، بریدہ اور دوسرے — یہاں تک کہ اہلِ علم نے اسے **متواتر** میں شمار کیا۔ حسن بصری نے اسے بیان کرتے ہوئے کہا: «اے مسلمانو! لکڑی رسول اللہ ﷺ کے شوق میں تڑپتی ہے، تو آپ لوگ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے مشتاق ہوں»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

دلیل کا مقام یہ ہے کہ یہ **مدینہ کی مسجد میں جمعہ کے دن** پیش آیا، یعنی شہر کے سب سے بڑے ہفتہ وار اجتماع کے سامنے، نہ کسی تنہائی میں اور نہ چند افراد کے سامنے۔ اور صحابہ کی بڑی تعداد نے اسے روایت کیا، ہر ایک نے اپنے الفاظ میں، اور آواز کا نقشہ بھی ملتے جلتے لفظوں میں کھینچا — «حاملہ اونٹنی کی آواز جیسی»۔ اور آخری تفصیل وہ ہے جو اس خبر کو خیال سے بلند کر دیتی ہے: **جب آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ چپ ہو گیا**، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: «اگر میں اسے گلے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک تڑپتا رہتا»۔ جس خبر کو پوری مسجد دیکھے، پھر درجنوں صحابہ اسے روایت کریں، اور حاضرین میں سے کوئی ایک بھی اس کا انکار نہ کرے۔

بیت المقدس کا نقشہ، جسے کبھی دیکھا نہ تھا

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا،
جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے

سورہ اسراء — آیت 1

صبح قریش کو خبر دی، تو انہوں نے مسجد کا نقشہ دروازہ بہ دروازہ پوچھا

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ کو ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس لے جایا گیا۔ جب آپ نے قریش کو خبر دی تو انہوں نے جھٹلایا، **اور آپ سے کہا کہ مسجد کا نقشہ بیان کیجیے** — اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اسے دیکھ چکے تھے۔ آپ نے ایسا بیان کیا کہ وہ بول اٹھے: «نقشہ تو اس نے ٹھیک بتایا»۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

مکہ اور بیت المقدس کے درمیان تقریباً 1200 کلومیٹر ہیں، جو قافلہ ایک طرف کا ایک مہینے میں طے کرتا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ نے **اپنی زندگی میں بیت المقدس کبھی نہیں دیکھا تھا**۔ جبکہ مکہ میں بہت سے تاجر شام جا چکے تھے، مسجد دیکھ چکے تھے اور اس کے نشانات جانتے تھے۔ سو آزمائش سب سے خطرناک صورت میں تھی: **ایسی جگہ کا نقشہ بیان کرنا جسے آپ کے مخالف جانتے ہوں اور آپ خود نہ جانتے ہوں**۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

واقعہ **صحیحین** اور دیگر کتب میں ہے۔ بخاری اور مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا، پھر اللہ نے بیت المقدس میرے سامنے کھول دیا، **سو میں اس کی نشانیاں انہیں بتاتا جاتا تھا اور خود اسے دیکھ رہا تھا**»۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اس کے دروازوں کی تعداد پوچھی تو آپ نے گن کر بتا دی۔ پھر آپ نے انہیں راستے میں ان کے اپنے قافلے کی خبر دی، اس کا نقشہ بیان کیا اور آنے کا وقت بھی بتایا — اور وہ ویسے ہی آیا جیسے آپ نے کہا تھا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ ایک **فوری، براہِ راست اور قابلِ تکذیب** آزمائش تھی، ایک ہی مجلس میں۔ آپ سے کسی ایسی غائب چیز کا نقشہ نہیں مانگا گیا جسے جانا ہی نہ جا سکے، بلکہ ایسی جگہ کا **جسے پوچھنے والے جانتے تھے** اور آپ نہیں جانتے تھے۔ اور ایک ہی تفصیل میں ایک غلطی اسی دن پوری دعوت گرا دینے کو کافی تھی۔ انہوں نے نقشے کی درستی کا اقرار کیا، پھر منہ پھیر لیا — جیسا کہ ہر نشانی کے ساتھ ان کی عادت تھی۔ رہا سب سے قوی گواہ، تو وہ **قافلے کی خبر** ہے: آپ نے انہیں ان کے اپنے قافلے کی خبر دی کہ وہ کہاں ہے اور کب پہنچے گا، سو انہوں نے انتظار کیا اور اسے ٹھیک ویسا ہی پایا، اسی دن جو آپ نے کہا تھا۔ ایک مستقل گواہی جو خود انہی کے اپنے ہاتھوں پوری ہوئی، آپ کے ہاتھوں نہیں۔

غیب کی خبر

117 جنگ سے پہلے مقتولوں کے گرنے کی جگہیں

رسول اللہ ﷺ ایک دن پہلے ہمیں اہلِ بدر کے گرنے کی جگہیں دکھا رہے تھے، فرماتے تھے: یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، ان شاء اللہ۔ کہا: پھر ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے نہ ہٹا

مسلم نے روایت کیا — صحیح

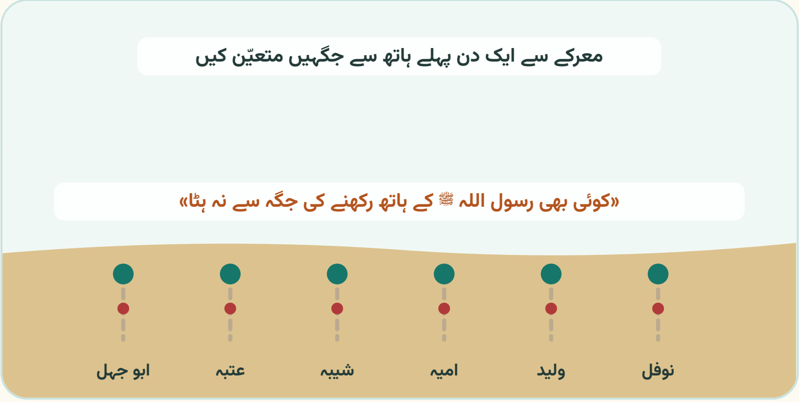

ریت میں بنائے ہوئے نشان… اور لاشیں انہی پر ملیں

آسان لفظوں میں

بدر کی لڑائی سے ایک دن پہلے نبی کریم ﷺ میدانِ جنگ میں چلے اور اپنے ہاتھ سے زمین پر جگہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے رہے: **یہاں فلاں مارا جائے گا، اور یہاں فلاں**۔ پھر جب لڑائی ہوئی تو ان میں سے کوئی اس جگہ سے آگے نہ گرا جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

بدر پہلا بڑا معرکہ تھی: مسلمان تین سو کچھ اوپر تھے اور مشرک تقریباً ایک ہزار۔ اور کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ جیتے گا کون، چہ جائیکہ مقتولوں کے نام اور ان کی جگہیں متعین کرے۔ اور لڑائی میں لوگ ہٹتے بڑھتے ہیں، حملہ کرتے ہیں اور بھاگتے ہیں؛ سو **اس زمین کے ٹکڑے کو متعین کرنا جس پر ہر آدمی گرے گا** ایسی بات ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

حدیث **صحیح مسلم** میں انس بن مالک اور عمر بن الخطاب سے مروی ہے۔ انس کی روایت میں ہے: «آپ فرمانے لگے: یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے — اور زمین پر یہاں اور یہاں ہاتھ رکھتے جاتے تھے۔ کہا: **پھر ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے نہ ہٹا**»۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ لڑائی کے بعد آپ کنویں پر کھڑے ہو کر انہیں نام لے کر پکار رہے تھے: «اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں، کیا تم نے وہ سچ پا لیا جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا؟»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہاں پیشین گوئی **وقوع سے پہلے خود زمین پر درج کر دی گئی**، اور پورا لشکر اسے دیکھ رہا تھا۔ اور یہ ان خبروں میں سے ہے جنہیں جھٹلانا سب سے آسان تھا: صرف ایک آدمی کا اپنی جگہ کے سوا کہیں اور گر جانا کافی تھا کہ تین سو گواہوں کے سامنے سارا معاملہ باطل ہو جاتا۔ اور اس نے تین چیزیں یکجا کر دیں: **افراد کو نام لے کر متعین کرنا**، **ان کے قتل ہو جانے کا جزم** یعنی کم تعداد والے گروہ کی فتح کا جزم، اور **ان کے گرنے کی جگہ کو بالشت بھر تک متعین کرنا**۔ ایک ہی خبر میں تین قیدیں، جو اگلے دن دونوں لشکروں کی آنکھوں کے سامنے پوری ہوئیں۔

وہ اونٹ جو رویا اور جس نے شکایت کی

❖ نبی ﷺ کو دیکھ کر وہ بلبلایا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ نبی ﷺ اُس کے پاس آئے اور اُس کے کان کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر فرمایا: اِس اونٹ کا مالک کون ہے؟ … پھر فرمایا: کیا تم اِس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے؟ اِس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اِسے بھوکا رکھتے ہو اور تھکاتے ہو ❖

روایت ابوداؤد — البانی نے صحیح قرار دیا

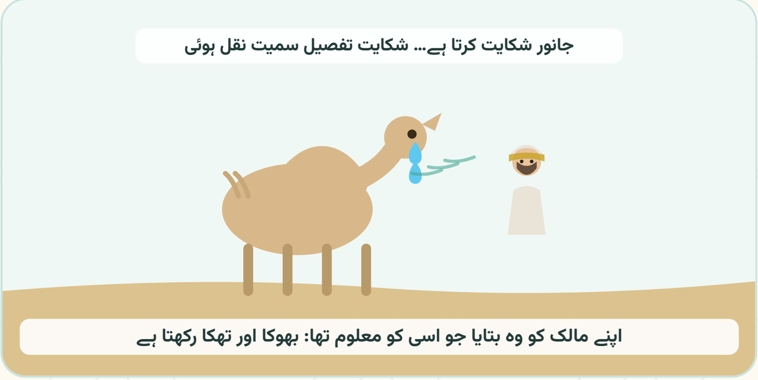

اونٹ چل کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور اُس کی آنکھیں بہہ پڑیں — صحابہ کے سامنے

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو ایک اونٹ آپ کے پاس آیا جو **رو رہا تھا**۔ آپ ﷺ نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ پھر اُس کے مالک کو بلا کر فرمایا: **«اِس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اِسے بھوکا رکھتے ہو اور تھکاتے ہو»**۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جانور شکایت نہیں کرتا اور نہ اُس کی بات سمجھی جاتی ہے۔ اور آدمی کا اپنے اونٹ کے ساتھ برتاؤ اُن دونوں کے بیچ کا نجی معاملہ ہے؛ کوئی نہیں جانتا کہ تنہائی میں وہ اُس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ اِس خبر میں دو باتیں ایک ساتھ ہیں: **جانور کی شکایت کو سمجھنا**، اور **اُس راز کی خبر پانا جسے اُس کے مالک کے سوا کوئی نہیں جانتا**۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ حدیث سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور البانی وغیرہ نے اِسے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح کتابوں میں اِس کی ثابت نظیریں بھی ہیں: **خیبر کی زہر آلود بکری کی حدیث**، جس میں دستی نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ وہ زہر آلود ہے، تو آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور صحابہ کو بھی ہاتھ روکنے کا حکم دیا (ابوداؤد اور دارمی، اور اصل واقعہ صحیحین میں ہے)، اور **اُس بھیڑیے کی حدیث جس نے چرواہے سے بات کی** اور اُسے نبی ﷺ کی بعثت کی خبر دی (روایت احمد، اور اِسے صحیح قرار دیا گیا)۔ عرب اِس قسم کی کوئی چیز نہیں جانتے تھے، بلکہ اُنہوں نے اِسے بہت بڑی بات سمجھا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اِس واقعے کو فیصلہ کن بنانے والی چیز اُس کا عملی اثر ہے۔ نبی ﷺ نشانی دکھا کر رُک نہیں گئے، بلکہ اُسے **جانوروں پر رحم کا ایک قانون** بنا دیا: «کیا تم اِس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے؟»۔ اور یہ آپ ﷺ کی سنت کے ایک پورے باب سے ہم آہنگ ہے: جانور کو اذیت دینے اور اُسے نشانہ بنانے کی ممانعت، اُس عورت کی حدیث جو ایک بلی کو باندھ رکھنے پر آگ میں گئی، اور اُس شخص کی جسے ایک کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا گیا۔ اور یہ سب ساتویں صدی عیسوی میں، ایسے ماحول میں جو جانوروں کو حقیر سمجھتا تھا — اور دنیا کی پہلی انجمنِ رحمِ حیوانات سے ہزار برس سے بھی پہلے — ایک اور نشانی ہے۔

زھر آلود بکری نے آپ کو خبر دی

خیبر میں ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو بھُنی ھوئی بکری ھدیہ کی جس میں زھر ملا رکھا تھا ... آپ نے ایک لقمہ لیا مگر نگلا نہیں اور فرمایا: یہ ھڈی مجھے بتا رھی ھے کہ یہ زھر آلود ھے

روایت ابوداؤد و دارمی – سند حسن ہے، اور اصل واقعہ صحیحین میں ہے

فتحِ خیبر کے بعد ہدیے کے کھانے میں ملا زہر

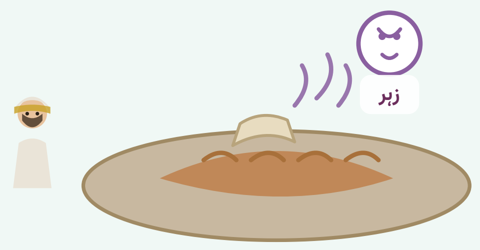

رک گئے اور ساتھیوں کو خبردار کیا – سب بچ گئے، سوائے اُس کے جو لقمہ نگل چکا

ایک عورت نے آزمانا چاہا: نبی ہے تو اِسے بتا دیا جائے گا، بادشاہ ہے تو ہمیں اِس سے نجات مل جائے گی

آسان لفظوں میں

ایک یہودی عورت نے نبی ﷺ کو بھُنی ہوئی بکری ہدیہ کی جس میں اُس نے زہر ڈال رکھا تھا۔ آپ نے جب ایک لقمہ لیا تو **اُسے نگلا نہیں**، اور فرمایا: «یہ دستی مجھے بتا رہی ہے کہ یہ زہر آلود ہے»۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

یہ فتحِ خیبر کے بعد کا واقعہ ہے، اور دشمنی کھلی ہوئی تھی۔ زہر بھُنے ہوئے گوشت میں مل جائے تو نہ آنکھ سے پہچانا جاتا ہے نہ بُو سے۔ اور خود اُس عورت نے پوچھے جانے پر کہا: میں جاننا چاہتی تھی – **«اگر یہ نبی ہے تو اِسے بتا دیا جائے گا، اور اگر بادشاہ ہے تو ہمیں اِس سے نجات مل جائے گی»**۔ یعنی اُس نے معاملہ ہی فیصلہ کن آزمائش بنا کر ترتیب دیا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ واقعہ **صحیح بخاری اور صحیح مسلم** اور سنن ابوداؤد و دارمی میں انس، ابوہریرہ، جابر، ابن عباس اور دوسروں سے مروی ہے۔ اِسی کے اندر خود اُس عورت کا اعتراف اور اِس کام سے اُس کا مقصد بھی نقل ہوا ہے۔ اور بِشر بن براء رضی اللہ عنہ اِس لیے فوت ہو گئے کہ اُنہوں نے تنبیہ سے پہلے اپنا لقمہ نگل لیا تھا – یہ وہ تفصیل ہے جو کوئی گھڑنے والا خبر میں نہ بڑھاتا، کیونکہ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نشانی نے ہر نقصان کو نہیں روکا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اِس واقعے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ **آزمائش خود دشمن نے ترتیب دی** اور اپنی شرط پہلے سے بیان کر دی: نبوت کی پہچان یہ ہو گی کہ اُسے زہر کی خبر دے دی جائے۔ پھر شرط ٹھیک اُسی طرح پوری ہوئی، اور اُس نے لوگوں کے سامنے خود اِس کا اعتراف کیا۔ پھر دلیل اور بڑھ گئی: **نبی ﷺ نے اُسے معاف کر دیا** – مشہور ترین روایات میں – اور یہ اُس شخص کا طرزِ عمل ہے جو مطمئن ہو، نہ کہ خوف زدہ انتقام لینے والے کا۔ اور نقل کی سچائی کو حتمی کرنے والی آخری تفصیل **ایک صحابی کی زہر سے موت** کا ذکر ہے؛ روایت نے واقعے کو سنوارا نہیں اور نہ اُسے مکمل فتح بنا کر پیش کیا، بلکہ اُس کی تلخی اور شیرینی دونوں نقل کر دیں۔

120

بارش جو مانگنے پر برسی اور مانگنے پر تھم گئی

آپ ﷺ نے دونوں ھاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! ھمیں بارش عطا فرما ... اللہ کی قسم، ھمیں آسمان میں کوئی بادل نظر نہ آتا تھا ... ابھی ھاتھ نیچے نہ کیا تھا کہ پہاڑوں جیسے بادل اُمنڈ آئے، اور ابھی اترے نہ تھے کہ بارش آپ کی ڈاڑھی پر بہہ رھی تھی

روایت بخاری و مسلم — متفق علیہ

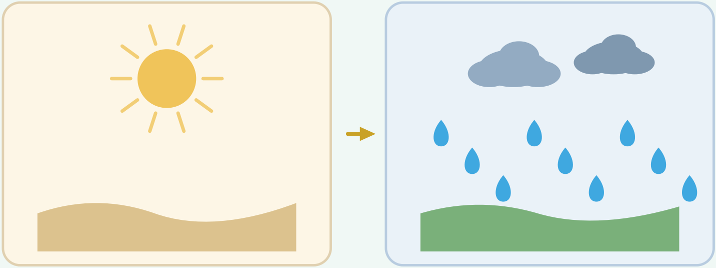

مدینہ دھوپ میں اور اُس کے چاروں طرف بارش — جیسا انس نے بیان کیا

آسان لفظوں میں

جمعہ کے خطبے میں ایک شخص نے قحط کی شکایت کی، تو نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی — **جبکہ آسمان صاف تھا اور اُس میں کوئی بادل نہ تھا**۔ ابھی ہاتھ نیچے نہیں کیا تھا کہ بادل اُمنڈ آئے، اور پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ لوگوں نے بارش کی زیادتی کی شکایت کی، تو آپ نے دعا کی اور وہ تھم گئی۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

بارش کی دعا قوموں میں ایک پرانا دستور ہے، لیکن وہ ایک دعا ہے جس کی اُمید کی جاتی ہے، نہ کہ وعدہ جو پورا ہو کر رہے۔ اور بارش صاف آسمان سے لمحوں میں نہیں برستی۔ اور یہ کہ ایسا **دو بار، دو متضاد سمتوں میں** ہو — مانگنے پر برسنا اور پھر مانگنے پر تھم جانا — اتفاق کے ہر امکان سے باہر ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ حدیث **صحیحین** میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انس نے منظر کو قابلِ ذکر باریکی سے بیان کیا: آسمان بالکل صاف تھا، بادل «پہاڑوں کی مانند» اُمنڈے، اور بارش اگلے جمعہ تک جاری رہی۔ پھر جب آپ ﷺ نے بارش تھمنے کی دعا کی تو انس کہتے ہیں: **«وہ تھم گئی اور ہم نکلے تو دھوپ میں چل رہے تھے»**، اور ایک روایت میں: «مدینے سے یوں چھَٹ گئی جیسے کپڑا پھٹ جائے» — یعنی بارش **صرف مدینے سے** ہٹ گئی اور اُس کے چاروں طرف برستی رہی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہی آخری تفصیل اِس خبر کی سب سے مضبوط چیز ہے۔ دعا کے بعد بارش برسنے کے بارے میں شاید کہا جا سکے کہ وہ اپنے موسم کے موافق آ گئی۔ لیکن **صرف مدینے سے اُس کا ہٹ جانا اور چاروں طرف برستے رہنا** ایسا واقعہ ہے جسے اتفاق سے نہیں سمجھایا جا سکتا، اور اہلِ مدینہ سب نے ایک ہی دن اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا۔ اور دوسری دعا کے الفاظ دیکھیے، وہ انتہائی باریک ہیں: **«اے اللہ! ہمارے اردگرد، ہم پر نہیں»** — آپ ﷺ نے بارش کا سِرے سے اٹھ جانا نہیں مانگا، بلکہ یہ مانگا کہ اُسے مدینے سے ہٹا کر اُس کے اردگرد کر دیا جائے، کیونکہ لوگوں کو اُس کی ضرورت تھی۔ اور یہ ٹھیک اُسی باریک صورت میں واقع ہوا جس میں دعا کی گئی تھی۔

علی کی آنکھ... اور قتادہ کی آنکھ

آپ ﷺ نے اُن کی آنکھوں میں لعابِ دھن لگایا اور دعا کی، تو ایسے تندرست ہوئے گویا کوئی تکلیف ھی نہ تھی

روایت بخاری و مسلم — متفق علیہ

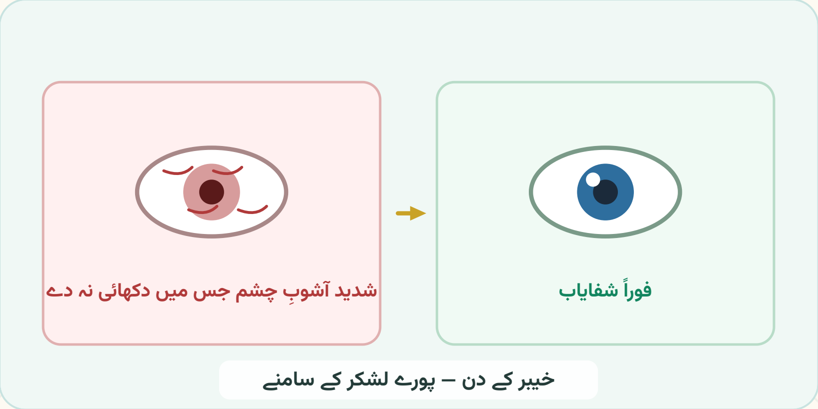

علی کی آنکھیں اِتنی دُکھتی تھیں کہ دیکھ نہ پاتے تھے، اور لمحوں بعد جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا

آسان لفظوں میں

خیبر کے دن نبی ﷺ نے فرمایا: **کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہے**۔ پھر آپ نے علی کو بلایا — اُن کی آنکھیں بیمار تھیں اور وہ دیکھ نہ سکتے تھے — **آپ نے اُن کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا تو وہ اُسی وقت تندرست ہو گئے**، پھر خیبر اُنہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

آشوبِ چشم اُس ماحول کی ایک معروف بیماری تھی، اور صبر اور دنوں کے گزرنے کے سوا اُس کا کوئی علاج نہ تھا۔ اور وہ لمحوں میں ٹھیک نہیں ہوتی۔ یہ واقعہ ایک نازک جنگی موقع پر پیش آیا، اور لشکر منتظر اور بے تاب تھا کہ جھنڈا کس کے ہاتھ آتا ہے — عمر نے کہا: «مجھے کبھی امارت کی خواہش نہیں ہوئی سوائے اُس دن کے»۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ حدیث **صحیحین** میں سہل بن سعد، ابوہریرہ اور سلمہ بن اکوع سے مروی ہے۔ اور اِسی کی نظیر **قتادہ بن نعمان** رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا وہ واقعہ ہے جو اُحد کے دن ثابت ہے — اُن کی آنکھ ایسی زخمی ہوئی کہ رخسار پر آ پڑی، تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اُسے واپس رکھ دیا اور اُن کے لیے دعا کی، اور وہی اُن کی دونوں آنکھوں میں زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز نظر والی ہو گئی۔ اور یہ بات اُن کی اولاد میں معروف رہی، یہاں تک کہ اُن کے پوتے نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے سامنے اِس کا ذکر کیا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

دو چیزیں اِس واقعے کو محض دعوے کے دائرے سے نکال دیتی ہیں۔ پہلی: یہ **ایک پورے لشکر کے سامنے، صف بندی کے وقت** پیش آیا، اور سب نگاہیں جھنڈا اٹھانے والے پر تھیں۔ دوسری — اور یہ زیادہ اہم ہے — یہ کہ شفا بذاتِ خود مقصود نہ تھی، بلکہ **ایک ذمہ داری نبھانے کی شرط** تھی: جھنڈا فوراً اُن کے حوالے کیا گیا اور وہ لڑنے نکلے، اور اُسی دن قلعہ اُنہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اگر وہ حقیقتاً تندرست نہ ہوئے ہوتے تو اُسی گھڑی بات کھل جاتی۔ رہی قتادہ کی آنکھ، تو اُس کا نشان **دہائیوں تک دیکھا جاتا رہا** — ایسی نشانی جو لوگ عمر بھر اُس شخص کے چہرے پر دیکھتے رہے، نہ کہ محض ایک نقل کی جانے والی خبر۔

سراقہ اور وہ گھوڑی جو زمین میں دھنس گئی

میں اپنی گھوڑی پر جا رہا تھا ... کہ وہ ٹھوکر کھا گئی اور میں گر پڑا ... پھر میں اپنی گھوڑی پر سوار ہوا، اور جب وہ دونوں مجھے نظر آئے تو اُس کے اگلے پاؤں زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے

روایت بخاری – صحیح

ایک تعاقب کرنے والا جو سو اونٹنیوں کے لالچ میں نکلا... اور امان مانگتا ہوا لوٹا

آسان لفظوں میں

سراقہ ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ اور ابوبکر کے تعاقب میں نکلا۔ جب بھی وہ اُن کے قریب پہنچتا، **اُس کی گھوڑی کے پاؤں سخت زمین میں دھنس جاتے** یہاں تک کہ گھٹنوں تک پہنچ جاتے۔ اُس نے جان لیا کہ اُسے روک دیا گیا ہے، تو اُس نے اُن سے امان مانگی۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

قریش نے سو اونٹنیاں اُس کے لیے مقرر کر رکھی تھیں جو محمد ﷺ کو زندہ یا مردہ لے آئے۔ اور سراقہ بنی مُدلج کا ماہر اور تجربہ کار شہسوار تھا، جو کھوج لگانے اور نقشِ قدم پہچاننے میں مشہور تھے۔ منظر ایک کھلے صحرا کا تھا جہاں بھاگنے کی کوئی جگہ نہ تھی، اور وہ دونوں کسی حفاظت کے بغیر تھے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ قصہ اپنی تفصیلات کے ساتھ **صحیح بخاری** میں ہے، ہجرت کی طویل حدیث کے اندر عائشہ اور ابوبکر سے، اور **خود سراقہ اِسے روایت کرتا ہے** اپنے اسلام لانے کے بعد۔ اُس نے بتایا کہ گھوڑی اُس کے ساتھ بار بار دھنسی، اور اُس نے تیروں سے فال نکالی تو وہی نکلا جو اُسے ناپسند تھا، مگر اُس نے اُسے نہ مانا؛ پھر جب مایوس ہوا تو امان کی آواز دی اور اُن دونوں کو زادِ راہ اور سامان پیش کیا۔ نبی ﷺ نے اُسے امان کی تحریر لکھ دی، جسے وہ فتحِ مکہ کے دن لے کر آیا۔ اور اُسی لمحے آپ ﷺ نے اُس سے فرمایا: «اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم کسریٰ کے دونوں کنگن پہنو گے؟» — اور بعد میں اُس نے وہ پہنے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اِس خبر کی سب سے مضبوط بات یہ ہے کہ **اِس کا راوی خود دشمن ہے**۔ سراقہ واقعے کے دن مسلمان نہ تھا، بلکہ انعام کا لالچی تعاقب کرنے والا تھا۔ برسوں بعد وہ مسلمان ہوا اور لوگوں کو بتایا کہ اُس کے ساتھ کیا گزرا۔ اور دشمن کا اپنی ناکامی اور جو کچھ اُس نے دیکھا اُس پر اپنے خلاف گواہی دینا، اہلِ نقل کے نزدیک ثبوت کے سب سے بلند درجوں میں سے ہے۔ اور وہ عجیب تفصیل دیکھیے جو گھڑی نہیں جاتی: گھوڑی **ایک بار نہیں، کئی بار دھنسی**، اور وہ ہر بار پھر تعاقب کی طرف لوٹتا رہا، یہاں تک کہ آخرکار مایوس ہو گیا۔ اور کوئی تعاقب کرنے والا اگر قصہ گھڑے تو اُسے قتل کی کوشش پر اِس بار بار کے اصرار کے ساتھ نقل نہیں کرے گا۔

سلمان فارسی اور وہ تین نشانیاں

اور اُس نے مجھے اُن کی نشانیاں بتائیں: وہ صدقہ نہیں کھاتے، ہدیہ قبول کرتے ہیں، اور اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت ہے

روایت احمد و ابن حبان – سند حسن ہے

تین نشانیاں جو اُس نے خود آزمائیں

- ✓ اُس نے صدقہ پیش کیا… تو نہ کھایا
- ✓ اُس نے ہدیہ پیش کیا… تو ساتھ کھایا
- ✓ اُس نے پیٹھ دیکھی تو مہرِ نبوت پائی

اسی مجلس میں اسلام لایا

ایک شخص جس نے اِن تین نشانیوں کی تلاش میں فارس و شام چھان مارا

وہ نشانیاں جو بعثت سے پہلے ایک عیسائی راہب سے سنیں… اور پھر پا لیں

آسان لفظوں میں

سلمان فارسی نے اپنی قوم کا دین چھوڑا اور حق کی تلاش میں شہر شہر پھرے، یہاں تک کہ ایک راہب نے اُنھیں آنے والے نبی کی تین نشانیاں بتائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو **تینوں نشانیاں خود آزمائیں اور پا لیں** – چنانچہ مسلمان ہو گئے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

شام اور دوسرے علاقوں کے اہلِ کتاب ایک ایسے نبی کے منتظر تھے جو سرزمینِ عرب میں مبعوث ہونے والے تھے، اور وہ اُن کی نشانیاں نسل در نسل محفوظ رکھتے تھے۔ سلمان سرزمینِ فارس سے نکلے اور برسوں راہبوں کے درمیان پھرتے رہے، یہاں تک کہ غلام بنا کر بیچ دیے گئے اور مدینہ پہنچے – ہجرت سے کئی برس پہلے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ قصہ خود سلمان مسند احمد، صحیح ابن حبان اور سیرتِ ابن اسحاق میں بیان کرتے ہیں۔ اِس میں ہے کہ وہ کچھ کھجوریں لائے اور کہا: یہ صدقہ ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: «کھاؤ» اور خود نہ کھایا۔ پھر وہ دوسری کھجوریں لائے اور کہا: یہ ہدیہ ہے۔ تو آپ نے اُن کے ساتھ کھایا۔ پھر سلمان دیکھنے کے لیے آپ کی پیٹھ کے پیچھے گھومے، اور نبی ﷺ سمجھ گئے کہ وہ کیا چاہتے ہیں، تو آپ نے اپنی چادر پیٹھ سے ہٹا دی، اور اُنھوں نے مُہر دیکھ لی، تو اُس پر جھک کر اُسے چومنے اور رونے لگے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ کوئی کائناتی معجزہ نہیں، بلکہ لفظ کے پورے معنوں میں **ایک منظم علمی آزمائش** ہے: پہلے سے متعین مفروضے، ہر ایک کے لیے ایک تجربہ، اور ایک نتیجہ جو قبول یا رد کیا جائے۔ سلمان کسی منطق یا جذبے کی بنا پر مسلمان نہیں ہوئے، بلکہ اُس وقت جب **تینوں شرطیں پوری ہو گئیں**۔ اور اِن میں سب سے باریک دوسری نشانی ہے: **صدقے اور ہدیے** کے درمیان فرق – اور یہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص ایک شرعی حکم ہے (صدقہ آپ پر حرام ہے اور ہدیہ حلال)، جس تک کوئی اندازے سے نہیں پہنچ سکتا۔ کئی روایتوں میں آیا ہے کہ راہب، یہودی علما اور حنفا بعثت سے پہلے ایک منتظَر نبی کی بات کرتے تھے اور اُن کی نشانیاں بیان کرتے تھے – اُن میں بحیرا راہب، اور زید بن عمرو بن نفیل جو بعثت سے پہلے دینِ ابراہیم کی تلاش میں فوت ہوئے۔ پھر یہود کے عالم عبداللہ بن سلام نے مدینہ آمد کے پہلے ہی دن آپ کو پہچان لیا اور اسلام قبول کر لیا۔

انس کے لیے دعا کی... اور وہ انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہو گئے

اے اللہ! اِس کا مال اور اولاد بڑھا دے اور جو کچھ تُو نے اِسے دیا ہے اُس میں برکت عطا فرما۔ انس کہتے ہیں: اللہ کی قسم، میرا مال بہت ہے، اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تقریباً سو کی گنتی میں ہے

روایت بخاری و مسلم — متفق علیہ

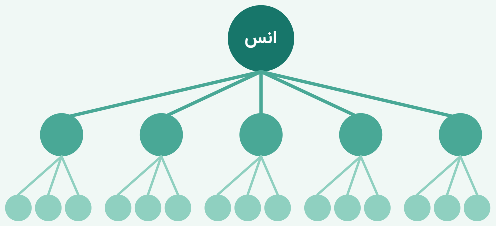

«میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تقریباً سو ہیں»

اور تقریباً سو برس جیے — بصرہ میں آخری وفات پانے والے صحابی

ایک تنگدست گھر میں کی گئی دعا... جس کے صاحب نے عمر بھر اُس کا پورا ہونا خود دیکھا

آسان لفظوں میں

اُمِّ سُلیم نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ اپنے بیٹے انس کے لیے دعا فرمائیں، تو آپ نے اُن کے لیے **مال کی کثرت، اولاد کی کثرت اور برکت** کی دعا کی۔ اور انس اتنا جیے کہ یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور لوگوں کو بتایا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

انس اُس دن دس برس کے چھوٹے لڑکے تھے، اور اُنھوں نے دس برس نبی ﷺ کی خدمت کی۔ اور اُن کا گھرانہ نہ انصار میں سب سے مالدار تھا اور نہ سب سے بڑی تعداد والا۔ اور اُس دعا میں **تین متعین چیزیں** تھیں جو ایک عمر کے بعد ناپی جا سکتی ہیں: مال، اولاد، اور دونوں میں برکت۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ حدیث **صحیحین** میں ہے۔ اور خود انس ہی دہائیوں بعد اُس کے پورا ہونے کی خبر دیتے ہیں، اللہ کی قسم کھا کر: «میرا مال بہت ہے، اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تقریباً سو کی گنتی میں ہے»۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حجاج کے بصرہ آنے سے پہلے اُن کی اولاد میں سے تقریباً ایک سو بیس دفن ہو چکے تھے۔ اور اُن کا باغ سال میں دو بار پھل دیتا تھا۔ اور وہ تقریباً سو برس جیے، اور **بصرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی** تھے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ ایک مختلف قسم کی دلیل ہے: **ایک پیش گوئی جس کا پورا ہونا خود اُس کا صاحب دیکھتا اور بیان کرتا ہے**۔ راوی ہی فائدہ اٹھانے والا ہے اور وہی گواہ، اور وہ اِسے بصرہ میں بیان کرتا ہے جہاں اُس کے گرد ہزاروں لوگ ہیں جو اُس کا حال جانتے ہیں اور اُس کی اولاد، اُس کے پوتوں اور اُس کے مال کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ مبالغہ کرتا تو اُس کے اپنے شہر والے اُسے جھٹلا دیتے۔ اور اِس کی نظیریں بہت اور ثابت ہیں: ابن عباس کے لیے فقہ اور قرآن کی تفسیر کی دعا، تو وہ «اُمت کے عالم» بن گئے؛ سعد بن ابی وقاص کے لیے دعا کی قبولیت کی دعا، تو اُن کی دعا مستجاب ہوتی تھی اور لوگ اُن کی بددعا سے ڈرتے تھے؛ اور اُس شخص کے خلاف بددعا جس نے تکبر سے بائیں ہاتھ سے کھایا، تو وہ پھر کبھی اُسے اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا۔ الگ الگ لوگوں کے بارے میں الگ الگ خبریں، جن میں سے ہر ایک کو تنہا جھٹلایا جا سکتا تھا۔

آپ کے سامنے کھانے کی تسبیح

هم کھانے کی تسبیح سنتے تھے جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا

روایت بخاری — صحیح

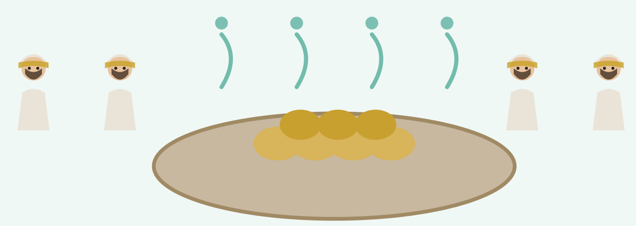

وہ اِن نشانیوں کو برکت شمار کرتے تھے، خوف کی چیز نہیں

آسان لفظوں میں

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **«ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا»** — یعنی وہ نبی ﷺ کے سامنے کھانے سے تسبیح کی آواز نکلتی ہوئی سنتے تھے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

بے جان چیز کی کوئی آواز نہیں ہوتی۔ اور کھانا خاموشی سے کھایا جاتا ہے۔ اور اُس سے تسبیح سنائی دینا ایسی بات ہے جس کی کسی کے تجربے میں کوئی مثال نہیں۔ اور نبی ﷺ کے سوا کسی سے ایسی کوئی بات نقل نہیں ہوئی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ روایت **صحیح بخاری** میں «اسلام میں نبوت کی نشانیوں کے باب» میں ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود اِسے جمع کے صیغے سے بیان کرتے ہیں: «**ہم سنتے تھے**» — یعنی یہ ایک اجتماعی اور بار بار کا مشاہدہ تھا، کوئی اکیلا واقعہ نہیں۔ اور اِسی کی نظیر آپ کی ہتھیلی میں **کنکریوں کی تسبیح** کا ثابت شدہ واقعہ ہے، اور مکہ میں اُس پتھر کا آپ کو سلام کرنا، جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ سے مروی ہے: «میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اُسے پہچانتا ہوں»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

قوت اِسی جمع اور تسلسل کے صیغے میں ہے: «**ہم سنتے تھے**»۔ اگر یہ ایک ہی بار ہوتا تو کہا جاتا «ہم نے سنا»۔ لیکن «سنتے تھے» تکرار اور عادت کا فائدہ دیتا ہے — یعنی یہ اُن کے ہاں ایک مانوس بات تھی جسے پوری جماعت جانتی تھی۔ اور ایسی بات ایسے ماحول میں نہیں گھڑی جاتی جہاں سیکڑوں زندہ گواہ موجود ہوں۔ اور قرآن اِس پورے باب کا عام اصول یوں بیان کرتا ہے: «**اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے**» — تو تسبیح ہر چیز میں جاری ہے، اور نبی ﷺ کی موجودگی میں جو ہوا وہ **اُس کے سننے پر سے پردہ اٹھ جانا** تھا، نہ کہ کسی نئی چیز کا پیدا ہونا۔

اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے... وہ ہم پر نہیں

> اللہ کی قسم، وہ آپ تک نہ پہنچیں گے جب تک میں آپ سے پہلے مر نہ جاؤں ... اور آپ ﷺ نے خندق کے دن فرمایا: اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر نہیں؛ ہم اُن کی طرف جائیں گے
>
> **روایت بخاری — صحیح**

پہل کاری کا مکمل اُلٹ جانا... جس کا اعلان وقوع سے پہلے کر دیا گیا

آسان لفظوں میں

جب احزاب کے لشکر مدینے سے واپس چلے گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: **«اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے اور وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، ہم اُن کی طرف جائیں گے»**۔ اور اُس دن کے بعد قریش نے مدینے پر کبھی چڑھائی نہ کی۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

خندق کا محاصرہ مسلمانوں پر گزرنے والی سخت ترین چیز تھا۔ دس ہزار جنگجو مدینے کے گرد، بنی قریظہ کے یہود نے اندر سے عہد توڑ دیا، اور بھوک، سردی اور خوف۔ قرآن کہتا ہے: «**اور دل گلوں تک آ پہنچے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے**»۔ اور ٹھیک اُسی لمحے پہل کاری کے اُلٹ جانے کا اعلان ہوتا ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

اور یہ حدیث **صحیح بخاری** میں ہے۔ اور حرف بہ حرف ویسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا: خندق (5 ہجری) کے بعد قریش کبھی مدینے پر حملے کے لیے نہ نکلے۔ بلکہ مسلمان ہی پہل کرنے والے بن گئے: 6 ہجری میں حدیبیہ، پھر 7 ہجری میں خیبر، پھر 8 ہجری میں فتحِ مکہ، پھر حنین اور تبوک۔ اور یہ ایک ایسی جنگی حقیقت ہے جس پر سیرت اور تاریخ کی تمام کتابیں متفق ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ **ایک حکمتِ عملی کی خبر ہے، روحانی نہیں**، اور یہی چیز اِسے خالص تاریخی جانچ کے قابل بناتی ہے۔ اور یہ **ممکنہ بدترین لمحے** میں کہی گئی — یعنی جب تمام قرائن اِس کے اُلٹ کہہ رہے تھے۔ معروف قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی دم گھونٹ دینے والے محاصرے سے بچ نکلے، وہ اپنی حالت سنبھالنے میں لگ جاتا ہے، حملے میں نہیں۔ اور حدیث کے الفاظ دیکھیے: آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ «ہم فتح پائیں گے» — یہ تو عام بات ہے جس میں ہر چیز کی گنجائش ہے — بلکہ **پہل کاری کی باگ ڈور کے منتقل ہونے** کو متعین کیا: «ہم اُن کی طرف جائیں گے»۔ اور یہ اُس کی باریک تصویر ہے جو اگلے تین برسوں میں واقعتاً ہوا: اُس کے بعد کی تمام مہمات مدینے سے باہر جاتی تھیں، اُس کی طرف آتی نہیں تھیں۔

اِن خبروں پر بھروسا کیوں کریں؟

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ

سورہ حجرات – آیت 6

محدّثین کے نزدیک قبولِ خبر کے معیار

- متصل سند جس میں ہر راوی کا نام ہو
- ہر راوی کی عدالت و ضبط — اور لکھا ہوا تذکرہ
- خبر کا شذوذ اور خفی علّت سے خالی ہونا
- ثقہ راویوں کا لفظ و معنیٰ میں باہم موافق ہونا

علم جس کی نظیر کسی اور قوم میں نہیں

علمِ جرح و تعدیل: لاکھوں راویوں کے حالاتِ زندگی لکھے اور جانچے گئے

آسان لفظوں میں

یہ خبریں ہم تک منہ در منہ چلنے والی کہانیوں کی صورت میں نہیں پہنچیں۔ یہ **ایک مضبوط توثیقی نظام** کے ذریعے پہنچی ہیں: ہر خبر کے ساتھ نام بہ نام راویوں کی ایک سند ہے، اور ہر راوی کا ایک لکھا ہوا تذکرہ ہے جو اُس کی سچائی اور حافظے کی چھان بین کرتا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اسلام سے پہلے کی قومیں اپنے انبیا کی خبریں بغیر کسی سند کے نقل کرتی تھیں۔ لہٰذا معلوم نہیں کہ کس نے کس سے نقل کیا، نہ یہ کہ وہ کب لکھی گئیں، اور نہ یہ کہ نقل کرنے والا قابلِ اعتماد تھا یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کی کتابوں میں صحیح اور گھڑی ہوئی باتیں گڈمڈ ہو گئیں، اور تاریخ داستان کے ساتھ۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

مسلمانوں نے **علمِ اسناد** اور **علمِ جرح و تعدیل** ایجاد کیا، اور لاکھوں راویوں کے تذکرے لکھے: ہر ایک کی پیدائش اور وفات، اُس کے اساتذہ، اُس کے شاگرد، اُس کے سفر، اُس کے حافظے کی حالت، اور یہ کہ آیا آخری عمر میں اُس کا حافظہ بگڑ گیا تھا، اور یہ کہ جو کچھ اُس نے روایت کیا اُس میں دوسروں نے اُس کی تائید کی یا نہیں۔ اور رجال کی کتابیں — جیسے تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال — اِس موضوع پر ضخیم انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ اور آسٹریا کے مستشرق الویس اشپرنگر نے کہا کہ مسلمانوں نے سوانح نگاری کا ایسا علم پیدا کیا جس کی نظیر دوسری قومیں نہیں جانتی تھیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

غور کیجیے کہ اِس باب کی خبروں میں وہ خصوصیات جمع ہیں جن سے گزرنا مشکل ہے: **اُن کا گواہوں کی بڑی تعداد کے سامنے پیش آنا** — خندق میں ایک ہزار، بدر میں تین سو، اور حدیثِ جذع میں ایک پوری بھری مسجد؛ اور **اُن کا کئی مستقل طُرق سے نقل ہونا** ایسے صحابہ سے جو اُنہیں گھڑنے پر جمع نہیں ہوئے تھے؛ اور **اُن میں وہ باتیں شامل ہونا جو خوبصورت نہیں بناتیں** — جیسے ایک صحابی کی زہر سے موت، اور جابر کا کھانے کی کمی سے ڈرنا؛ اور **مخالفین کا اُنہیں جھٹلانے سے خاموش رہنا**، حالانکہ وہ اِس پر سب سے زیادہ حریص تھے۔ اور انسانی تاریخ میں کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جس کی خبریں، اُس کے اقوال اور اُس کے اعمال اِس قدر باریکی اور تفصیل سے نقل ہوئے ہوں۔

مآخذ ابن الصَّلاح – «مُقَدِّمةُ ابنِ الصَّلاح» · الخطيب البغدادي – «الكِفايةُ في عِلمِ الرِّواية»